ادبی ایڈیشن

دن
Daily DIN

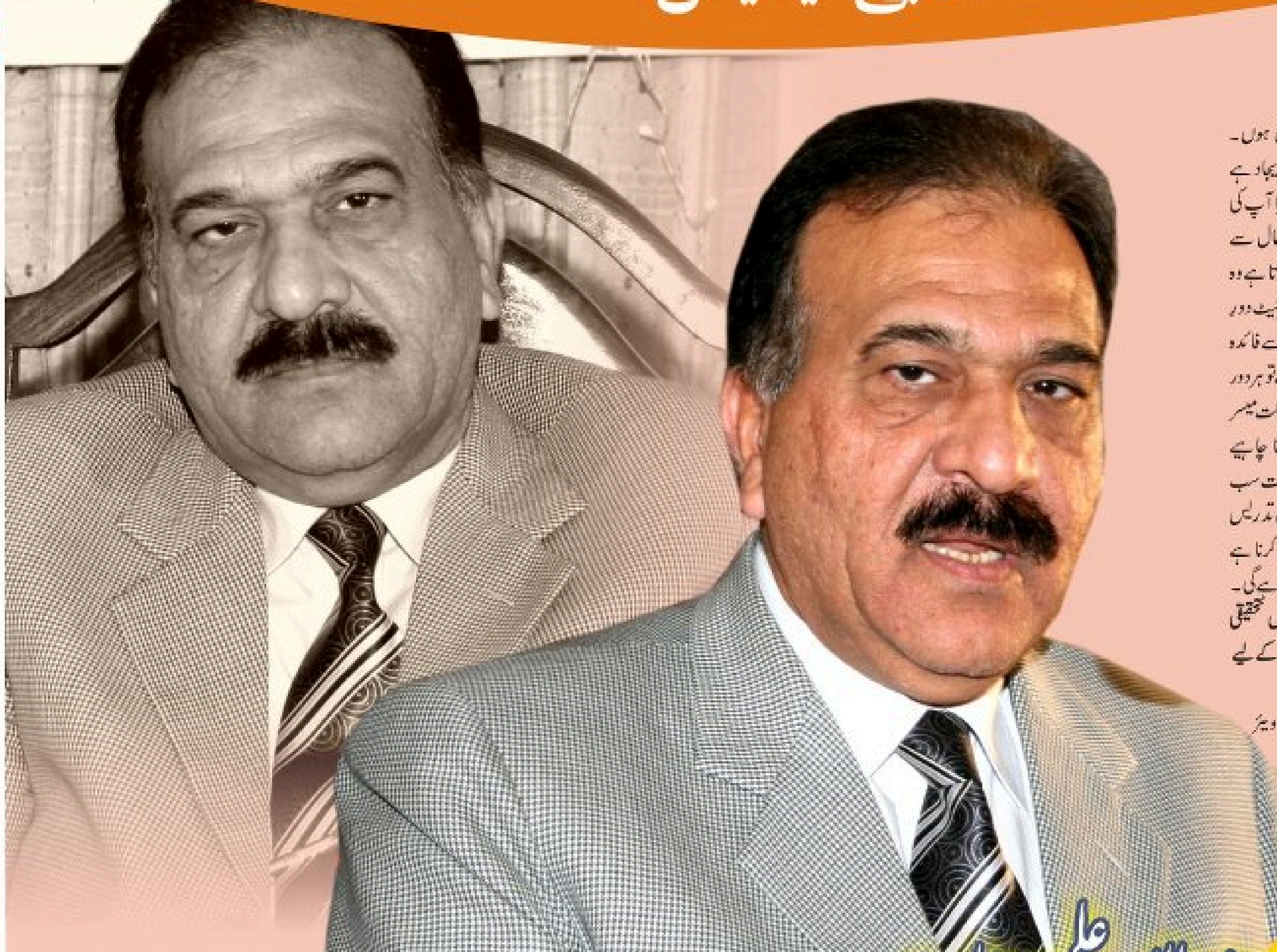

# کتاب کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہوگی، اچھا استاد ہمیشہ طالب علم رہتا ہے

# جب تک زندگی ہے ادب تخلیق ہوتا رہے گا

## چیئرمین شعبہ اُردو یونیورسٹی اورنٹیل کالج جامع پنجاب ڈاکٹر فخر الحق نوری سے مکالمہ

**عطیہ ضمیر، محمد نصر اللہ**

سوال: ڈاکٹر صاحب! ہمیں اپنے بچپن، گھر کے ماحول اور ابتدائی حالات کے متعلق کچھ بتایئے؟

جواب: میں لاہور میں پیدا ہوا اور میرے والد اسٹیٹ بنک میں ملازم تھے۔ ہمارا گھرانہ اپنی بنیادی شناخت کے حوالے سے ایک دینی گھرانہ تھا لیکن ایسا دینی گھرانہ جس کا ملائیت سے کوئی تعلق نہیں۔ تصوف سے جڑا ہوا گھرانہ تھا اور میرے دادا ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ چشتیہ سلسلے میں بیعت تھے اور مذہبی مزاج کے حامل تھے اور میرے والد بھی نہایت دین دار شخص اور عاشق رسولؐ تھے۔ اقبال کے ساتھ گہری عقیدت میں نے اپنے گھر میں دیکھی۔ والد صاحب نے بھی نعتیں لکھیں۔ میرے چچا کا ایک مجموعہ نعت چھپ چکا ہے۔ بھائیوں میں میرے بڑے بھائی بہت اچھے شاعر ہیں۔

سوال: اپنے تعلیمی سفر پر کچھ روشنی ڈالیے؟

جواب: میں نے چشتیہ ہائی سکول کرشن نگر سے میٹرک کیا، اسلامیہ کالج سول لائنز سے ایف۔ اے اور بی۔ اے کیا اور پھر میں اورینٹل کالج میں آ گیا اور یہاں سے ایم۔ اے اردو کیا اور یہیں سے میں نے پی ایچ-ڈی کی۔ میں نے ایم-اے میں ’’نثری نظم‘‘ کے عنوان سے مقالہ لکھا اور میرے نگران ڈاکٹر وحید قریشی تھے۔ مجھے ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا اور پھر پی ایچ-ڈی میں نے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب کی نگرانی میں کی۔ موضوع تھا ’’ن-م- راشد—— تحقیقی و تنقیدی مطالعہ‘‘۔

سوال: نعت گوئی کی طرف آپ کا خاصا رجحان ہے، کچھ اس حوالے سے بتایئے۔

جواب: میں اسکول کے زمانے ہی سے اسٹیج پر بہت آتا رہا۔ میں نے اسکول میں بہت سے انعامات تلاوت کے حوالے سے بھی لیے۔ بعد میں تلاوت میں تو وہ بات نہ رہی لیکن نعت خوانی اور کلام اقبال کا شوق قائم ہے۔ میں نے ریڈیو پر بھی اس حوالے سے حصہ لیا اور یہ شوق کالج کے زمانے میں بھی چلتا رہا۔ پھر یونیورسٹی میں آیا تو یہاں بھی یہ شوق برقرار رہا۔ اب مجھے یونیورسٹی میں پڑھاتے ہوئے ستائیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے تو اب بھی میں مختلف تقاریب میں کلام اقبال اور نعت وغیرہ پیش کر دیتا ہوں کیوں کہ دوستوں کو معلوم ہے کہ یہ میرا شوق ہے۔ میں نعت پڑھنے کو ایک سعادت سمجھتا ہوں۔

سوال: کن کتابوں نے آپ کی زندگی پر نمایاں اثرات مرتب کیے ہیں؟

جواب: کتابیں تو مختلف اوقات میں مختلف زیر مطالعہ رہیں اور اب بھی مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ پھر جو آپ کا فیلڈ بن جاتا ہے جیسے میرا۔ ن۔م۔ راشد ہے تو میں جدید شاعری کے حوالے سے کافی پڑھتا رہتا ہوں۔ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کا بھی مطالعہ کرتا ہوں۔ میں فارسی سے خاصا شغف رکھتا ہوں اور اکثر کتابیں پڑھتا ہوں۔ فارسی کے جدید شعرا کے کلام کا خاصا ذخیرہ میرے پاس موجود ہے۔ حافظ کو ابتدا ہی سے میں نے گھر میں پڑھتے ہوئے دیکھا اور پڑھا۔ دیوان حافظ اور مولانا روم کی مثنوی کے تراجم وغیرہ۔ بہت اثر انگیز کتابیں ہیں۔ لیکن اگر پسند کو دیکھیں تو پہلے غالب اور پھر اقبال۔ اقبال کے بھی اگرچہ تینوں اردو شعری مجموعے اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں لیکن بال جبریل کا تو جواب نہیں ہے۔ اگر مجھے یہ انتخاب کرنا ہو اور کوئی ایک نظم چننی ہو اردو شاعری کی تو میں صرف مسجد قرطبہ کو منتخب کروں گا۔ مجھے یہ نظم فنی حوالے سے بھی اور فکری حوالے سے بھی بہت متاثر کرتی ہے۔ اقبال کی غزلیات بھی بہت عمدہ ہیں۔ اردو میں تو یہ صورت ہے لیکن فارسی میں بھی اقبال کا کلام بہت عمدہ ہے۔ تیسری کتاب اگر میں جدید شاعری میں کہوں تو راشد کی لا=انسان بہت اعلیٰ ہے۔ راشد کے چاروں مجموعوں میں سے اگر کسی ایک مجموعے کو اہمیت دینا ہو تو میں لا=انسان کو دوں گا۔ میرے خیال میں وہ اس کے ارتقائی سفر کی بلندی ہے۔

سوال: شاعری کے علاوہ کن نثری کتب نے آپ کو متاثر کیا؟

جواب: میں نثر کے حوالے سے ایک کتاب کا حوالہ دیتا ہوں جو مجھے بہت پسند ہے وہ ہے مختار مسعود کی کتاب ’’آوازِ دوست‘‘۔ یہ کتاب جب آئی تو مجھے بے حد اچھی لگی لیکن اس کتاب کی تاثیر ابھی تک قائم ہے۔ شاید اتنی تو نہیں جتنی اس وقت تھی لیکن ابھی تک قائم ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کی بعض تحریریں پسند ہیں۔ مجھے نقادوں میں بھی بعض بہت اہم لگتے ہیں اور سعادت حسن منٹو کو بہت اہمیت دیتا ہوں۔ وہ مجھے بہت پسند ہیں۔ منٹو بہت باکمال مکالمہ لکھتا ہے۔ بعض اور افسانہ نگار بھی ہیں۔

سوال: آپ اورینٹل کالج سے بہ حیثیت شاگرد، استاد اور اب صدر شعبہ کی حیثیت سے منسلک ہیں لیکن ان تینوں حیثیات میں آپ کو سب سے زیادہ کون سی حیثیت پسند ہے؟ اور کیوں؟

جواب: مجھے شاگرد کی حیثیت پسند ہے۔ ویسے بھی استاد کو چاہیے کہ وہ طالب علم ہو۔ سب سے بڑا طالب علم استاد کو ہونا چاہیے اور یہ اچھے طالب کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ استاد کو بھی طالب علم بنائے رکھے اور یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ اسے پڑھنا چاہیے اور وہ ایسی باتیں استاد سے بھی پوچھے جو استاد کو پڑھنے کی طرف مائل رکھیں۔ ویسے تو ہر حیثیت اچھی ہے۔ اگر کوئی صدر شعبہ بن جاتا ہے تو اس میں زیادہ احساس ذمہ داری ہونا چاہیے۔ آپ استاد ہیں تو آپ طالب علم بھی ہیں اور استاد بھی ہیں۔ اور اگر دور کی بات کریں تو مجھے طالب علمی کا دور پسند ہے۔ کیوں کہ وہ دور واپس نہیں آتا۔ آپ پر اس وقت ذمہ داریاں نہیں ہوتیں

سوال: آپ ایک مقبول استاد ہیں۔ کیا آپ کو ’’بہترین استاد‘‘ کا ایوارڈ مل چکا ہے؟

جواب: ۲۰۰۰ء میں یونیورسٹی میں تمام شعبوں میں ایویلیو ایشن کروائی گئی تھی۔ شعبہ اردو میں تین مرتبہ کروائی گئی۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ ایسا کیوں ہوا لیکن تینوں مرتبہ ایک ہی رزلٹ رہا اور میں بہترین استاد ڈکلیئر ہوا۔ اس کے لیے یونیورسٹی میں تقریب بھی ہوئی جس میں اور لوگوں کو بھی اپنے اپنے شعبوں میں ایوارڈ دیے گئے تو مجھے بھی شیلڈز وغیرہ دی گئیں۔

سوال: یہ کیمونی کیشن کا دور ہے۔ آپ کے خیال میں طلبہ و طالبات میں ابلاغ و ارسال کی صلاحیت کو کس طرح بہتر کیا جا سکتا ہے؟ اور اس وقت کتاب کی کتنی اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟

جواب: میں اس بات سے بالکل متفق ہوں۔ کمپیوٹر بیسویں صدی کی سب سے بڑی ایجاد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ پوری دنیا آپ کی ٹیبل پر ہے۔ کوئی ایجاد اس کے منفی استعمال سے غلط نہیں ہوتی۔ اس کا منفی استعمال غلط ہوتا ہے وہ ایجاد تو اپنی جگہ مفید ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ دور حاضر میں بہت بڑی سہولت ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو ہر دور کے اپنے اپنے تقاضے ہیں۔ اب اگر یہ سہولت میسر ہے تو انھیں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے کیوں کہ یہ اس دور کا تقاضا ہے۔ یہ سہولت سب تک پہنچانی چاہیے اور سکولوں میں اس کی تدریس ہونی چاہیے کہ اس کا استعمال کس طرح کرنا ہے لیکن میرے خیال میں کتاب ہمیشہ زندہ رہے گی۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! ہمارے ہاں تحقیقی مقالوں میں سرقہ نویسی کو چیک کرنے کے لیے کوئی سافٹ ویئر ہے؟

جواب: ہمارے ہاں ایسا کوئی سافٹ ویئر رائج نہیں ہے۔ لیکن اس پر بھی کام ہو رہا ہے۔ لیکن میں اس حوالے سے ایک بات عرض کرنا چاہوں گا کہ دوسرے شعبوں میں جو فیچر ازم کے لیے سافٹ ویئر موجود ہیں وہ بھی سو فیصد قابل اعتماد نہیں ہیں

سوال: ڈاکٹر صاحب سرقہ نویسی کو کس طرح کم کیا جا سکتا ہے؟

جواب: یونیورسٹیاں تو صرف یہ کر سکتی ہیں کہ سرٹیفکیٹ لیتی ہیں طالب علم سے بھی اور ساتھ ہی ساتھ نگران استاد سے بھی۔ نگران کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے طالب علم سے ہمدردی کرنے کے بجائے ذرا یہ دیکھ لے اور اگر ایسی صورت ہے تو وہ ریسرچ اسکالر کو بتائے اور درست کروائے۔ اصل محتسب انسان کے اپنے اندر ہوتا ہے۔ ’’اپنا احتساب کرو۔ اس سے پہلے کہ تمہارا احتساب کیا جائے۔‘‘ اپنے اندر ایک سب سے بڑا محتسب ہوتا ہے۔

سوال: ۔ آپ اردو شاعری میں نثری نظم کو کس مقام پر رکھتے ہیں؟

جواب: ۔ میں اس کو آزاد نظم اور پابند شاعری کے مقام پر تو نہیں رکھتا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاعری میں اصولی اتفاق اس بات سے ہونا چاہیے کہ شاعری بغیر اوزان کے ہو سکتی ہے۔

سوال: عصر حاضر کو تنقید کا دور کہا جاتا ہے۔ آپ کے خیال میں اس وقت تخلیق کی زیادہ ضرورت ہے یا تنقید کی؟

جواب: تخلیق کی اہمیت پہلے ہے۔ تنقید اصل میں اس کو تعبیر کرنے کا طریقہ ہے اور یہ مختلف طریقے ہیں جن کے ذریعے سے ہم اس کی تفہیم کرتے ہیں۔ اس کی قدر کا تعین کرتے ہیں اور اس کے مختلف پیمانے اور حربے ہیں۔ مختلف دبستان ہیں۔ یعنی تفسیر و تعبیر کی اپنی جگہ پر اہمیت ہے لیکن جو اولیت ہے وہ ہمیشہ تخلیق کو حاصل رہے گی۔ شاعری ہوگی تو پھر ہی آگے اس کی تنقید ہوگی۔

سوال: جاپان کے لوگوں کو اردو سیکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے؟

جواب: جاپان معاشی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ملک ہے۔ جاپان نے دوسرے ملکوں میں کاروبار بھی کرنا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں مختلف گاڑیاں جاپان ہی سے منگوائی جاتی ہیں۔ اس طرح مختلف ملکوں کے ساتھ تجارت میں زبانوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح ایمبیسی میں بھی ضرورت پڑتی ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ جاپانی اس حوالے سے بہت پلاننگ کرتے ہیں اور اس کی مناسبت سے ہی وہ ان طالب علموں کا انتخاب کرتے ہیں جن کا زبانیں سیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ زبان سفیر کا کام دیتی ہے۔ زبان پڑھانے والے بھی سفیر ہوتے ہیں۔ یہ زبانیں ملکوں کو قریب بھی لاتی ہیں۔ وہ زبانیں اسی لیے سیکھتے ہیں کہ ان کی اپنی جگہ پر افادیت ہے اور وہ صرف ضرورت کے تحت زبانیں سیکھتے ہیں۔

سوال: آپ کے نزدیک اردو زبان کس طرح سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر سکتی ہے؟ نفاذ اردو کے لیے آپ کچھ تجاویز دیجیے۔

جواب: اردو کو چاہے سرکاری زبان کا درجہ ملے یا نہ ملے یہ بہرحال ہماری بین العلاقائی زبان لازمی طور پر ہے۔ سندھ، بلوچستان، خیبر پختون خواہ جہاں بھی چلے جائیں وہاں لوگ اردو بولیں گے بھی اور سمجھیں گے بھی اور پنجاب میں تو ویسے بھی عام طور پر بولی جانے والی زبان ہے۔ اس کے علاوہ بھی پاکستان میں کہیں بھی چلے جائیں، اردو بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں لیکن کچھ کام سرکار کے اور کچھ سرکاری اداروں کے کرنے کے ہیں مثلاً ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق اردو کو سرکاری زبان کے طور پر نافذ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ آئین کو کئی بار توڑا گیا۔ مقتدرہ اور دیگر ادارے اپنے طور پر کوشش کرتے ہیں لیکن ہمارے ہاں بہت سی چیزیں سیاست کی نذر ہو جاتی ہیں۔

سوال: کیا آپ اردو ادب کے مستقبل سے مطمئن ہیں؟

جواب: ادب کسی فارمولے کے تحت نہیں آتا۔ یہ تخلیق ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تمام زبانوں میں ادب تخلیق ہوتا ہے۔ ہر عہد میں بڑے لکھنے والے پیدا ہوئے ہیں اور یہ قدرت کا نظام ہے۔ عام درجے کے لکھنے والے بھی ہوتے ہیں اور کچھ خاص بھی ہوتے ہیں۔ وقت پھر درجوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ موجودہ عہد میں بہت لکھا جا رہا ہے۔ اس کی ایویلیو ایشن اگر ابھی کریں گے تو اس میں بعض تعصبات شامل ہو جائیں گے لیکن کچھ عرصے کے بعد کریں گے تو شاید تعصبات اتنے نہ رہیں۔ یعنی ادب لکھا جاتا رہے گا۔ ادب کا تعلق زندگی سے ہے۔ زندگی کے مختلف دھارے اگر بہہ رہے ہیں تو ادب بھی لکھا جاتا رہے گا۔

---

# لندن میں سہیل احمد لون کی کتاب ’’جلاوطن‘‘ کی تقریب رونمائی

## لارڈ نذیر سمیت برطانیہ کی اہم شخصیت نے شرکت کی

**علی سقراط**

گزشتہ دنوں برطانیہ میں مقیم شاعر، مصنف اور کالم نگار سہیل احمد لون کے کالموں و مضامین کے مجموعہ ’جلاوطن‘ کی تقریب رونمائی ایسٹ لندن میں واقع ایکس ٹی وی کے خوبصورت کانفرنس روم میں منعقد ہوئی جس کی صدارت معروف براڈ کاسٹر، تجزیہ نگار اور دانشور رضا علی عابدی نے کی۔

رضا علی عابدی نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نیکیاں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ نیکی جو جان بوجھ کر عمداً کی جاتی ہے دوسری وہ جو نادانستہ ہو جاتی ہے۔ لون صاحب کی کتاب وہ نیکی ہے جو انہیں خبر بھی نہیں ہوئی اور ان سے سرزد ہو گئی ہے۔ آج ۲۰۱۲ء میں اس کتاب کو اخباری کالموں کا ایک مجموعہ کہا جا رہا ہے۔ یہ بالکل انگور کے اس عرق کی مانند ہے جسے کچھ عرصہ رکھا جاتا ہے تو نہایت نفیس سرکہ بن جاتا ہے۔ یہی کتاب جو آج اخباری کالم ہیں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد تاریخ کی ایک کتاب کہلائے گی۔

ہفت روزہ دی نیشن لندن کے چیف ایڈیٹر محمد سرور نے کہا کہ اچھی تحریر کی یہی پہچان ہے کہ جب پڑھنے والا اس کو پڑھے تو اس میں گم ہو جائے اور جب وہ ختم ہو جائے تو اس کا اس قاری پر دیر تک اثر رہے۔ یہ اس تحریر کی خوبی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کتاب ہر اس شخص کی کہانی ہے جو خود جلاوطنی کے درد سے گزر رہا ہو۔ ان کے کالم سیاسی شعور اور حالات کا بہترین تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر زیدی واسطی نے رومی کی مثنوی سے چند اشعار سناتے ہوئے سہیل کی شخصیت کو رومی کی مثنوی کے اشعار سے تشبیہ دی۔ بیان کر رہے ہیں۔ جلاوطنی کے بارے میں لکھنا شاید قدرے آسان ہو مگر اس تجربے سے گزرنا ایک نہایت دشوار عمل ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں میں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ برطانیہ میں رہنے والے اپنے وطن کے بارے میں اپنے ہم وطنوں سے شاید بہتر سوچتے ہیں۔

### برطانیہ میں مقیم شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور سماجی حلقے کی بھرپور شرکت

ایکس ٹی وی کے سی ای او ڈاکٹر سہیل چغتائی نے کہا کہ سہیل لون کی کتاب میں ایک تنوع اور Diversity پائی جاتی ہے۔ ایک طرف تو وہ کرکٹ پر لکھ رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف سیاست، میڈیکل اور دوسرے شعبہ جات پر بھی اسی مہارت سے لکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سے لوگوں کی عکاسی کی ہے۔ کتاب میں کالم کی شکل میں درحقیقت کئی کتابیں ہیں جو ہمارے ذہنوں کو سوچنے کی دعوت دیتی ہیں۔ مصنف نے غم جہاں کو بہت آسان اور گفتگو کے انداز میں اپنے پڑھنے والوں کے سامنے بیان کیا ہے۔

سابق کونسلر و تھرڈ ورلڈ سالیڈریٹی کے چیئرمین مشتاق لاشاری نے کہا کہ حالات و واقعات کے تناظر میں یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ انسان مر بھی جائے مگر اس کی تحریر زندہ رہتی ہے۔ جلاوطن ایک ایسی کتاب ہے کہ جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔

ماہر نفسیات ڈاکٹر فرخ حسین نے جلاوطنی کی مختلف کیفیات اور وجوہات کو نفسیاتی سائنس کے حوالوں سے واضح کیا۔ انہوں نے سہیل احمد لون کی کاوش کی تعریف کی اور اس ملک کے لئے بہترین خدمت قرار دیا۔ کونسلر لیاقت حسین نے کہا کہ مصنف نے ایک دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ وہ زبان کی خدمت کے ساتھ ایک کلچر کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ تقریب کے کمپیئر عرفان بٹ نے کہا کہ سہیل نے قلم کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کے مصنف سہیل لون نے کہا کہ لکھنا ان کا شوق تھا۔ لیکن غم روزگار کی وجہ سے وہ کافی عرصہ تک اپنے شوق کی تکمیل نہ کر پائے...... انہوں نے کہا کہ وہ کوئی دانشور ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے وہ حالات کو دیکھنے کے بعد وہ انہیں جس طرح محسوس کرتے ہیں، کالم کی شکل میں بیان کر دیتے ہیں۔ تاہم ابھی بہت کچھ لکھا جانا باقی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک اچھے قلم کار کی تخلیق و تحقیق کبھی مکمل نہیں ہوتی۔ تقریب کے آخر میں کونسلر ستارہ انجم، فیض المتین اور نوید نے اپنی خوبصورت آواز میں گیت پیش کیے۔

---

# آج کا شاعر

## عدنان بشیر

عدنان بشیر غزل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اردو شاعری کے جدید رجحانات پر ان کی خاصی گہری نظر ہے۔ غزل میں نئی تراکیب، اچھوتی تلمیحات ان کی پہچان ہیں۔ غزل کے مضامین متنوع ہیں، نئی نسل میں اپنے منفرد اسلوب کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اساطیری لہجے میں ان کی شاعری انہیں سب سے جداگانہ مقام عطا کرتی ہے۔ اردو شاعری کو اس نوجوان سے بہت توقعات وابستہ ہیں۔

### غزل

قدیم شہروں کی کالی گلیوں میں پہلے سورج کی روشنی تھی
زمیں پر آنے سے پیشتر ہی کسی کی آدم سے دشمنی تھی

میں کچھ دعاؤں کے خستہ تختے پہ بہہ رہا تھا سمندروں میں
سمندروں پر وہ پہلی بارش تھی اور زمیں ڈوبنے لگی تھی

یہ وہ زمانے تھے جب خدا نے نئے صحیفے اتارنے تھے
اندھیرے غاروں میں سونے والوں کی آنکھ خوابوں میں جاگتی تھی

مجھے کنویں میں گرانے والے مجھے گلے مل کے رو رہے تھے
مرے یہاں تو معاف کرنے کی ریت پرکھوں سے آ رہی تھی

اور ایک دن وہ عصا کو ٹیکے کھڑے کھڑے لڑکھڑا گیا تھا
ہوا جسے اپنے بازوؤں پر چہار جانب لیے پھری تھی

مرے مسیحا مری نگاہوں میں آخری خواب جاگتا تھا
یہ کیسا دکھ ہے کہ تیری آنکھوں میں پہلی تعبیر سو رہی تھی

کئی ستارے تری طلب میں ہزار راتوں سے جاگتے تھے
تو جس گھڑی آسماں سے اترا، وہ رات صدیوں کی روشنی تھی

ہوائیں خانہ بدوش ہو کے سلگتے صحرا میں خیمہ زن تھیں
فراتِ باغِ عدن کے شاہوں کو نہرِ کوثر پکارتی تھی

میں نے ان آنکھوں کو چھو کر کہکشاں تشکیل کی
سامری نے بت میں گوندھی خاکِ پا جبریل کی

پانیوں کے خوف میں سبھی چٹانوں سے پرے
وہ صدا گونجی کہ ہر اک موج نے تعمیل کی

اک عصا بارہ قبیلے اور بارہ راستے
پھر مقابل فوج اس نے نیل میں تحلیل کی

جی اٹھی ہابیل کی آنکھوں میں صبحِ اولیں
مر گئی مغرب میں شامِ آخریں قابیل کی

ہے چھپی مشرق کی جانب اور نہ مغرب کی طرف
نخلِ زیتوں میں گندھی وہ روشنی قندیل کی

جس سے سورج سے اذنِ باریابی چھن گیا
اس سے پہلے واپسی ہے صاحبِ انجیل کی

آخری قطرہ کنویں کے پاؤں سے چمٹا رہا
کرنے والے نے پھر اس میں زندگی ترسیل کی

میں نے ماضی کے جزیروں میں چھپے اسرار پر
دستِ لرزاں سے چھڑک دیں خوشبوئیں زنبیل کی

اولیں خوابوں کے عرصے میں کہیں عدنان سے
بجھ گئیں شمعیں تو اس نے روشنی تنزیل کی

Designed by: Awais Saeed